نظرات

کراچی میں پٹھان مہاجر فسادات کو اس شیریں خواب کی بھیانک تعبیر کہا جا سکتا ہے جو برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کی تشکیل کی جدوجہد کے دوران دیکھے تھے، ان سے پہلے بنگلہ دیش میں، مکتی باہنی اور پھر بنگلہ دیش کی بنگالی حکومت کے ہاتھوں جو کچھ مہاجرین پر بیتی تھی، اس کے دہشت ناک نتائج آج تک ان مہاجر کیمپوں کی صورت میں ڈھاکہ کے مضافات میں دیکھے جا سکتے ہیں، جو وہاں بہاریوں کے کیمپوں کے نام سے موسوم ہیں، اور جن کا پرسانِ حال ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں سے کوئی نہیں ہے۔ بنگلہ دیش انھیں اس بنا پر پاکستانی شہری قرار دیتا ہے کہ ۱۹۷۱ء میں انھوں نے بنگلہ دیش کی شہریت اختیار کرنے کے بجائے اپنے آپ کو پاکستانی شہری بنایا تھا۔ اور پاکستان انھیں اپنے شہری تسلیم کرنے سے اس بنا پر انکار کر رہا ہے کہ وہ مغربی پاکستان سے بنگلہ دیش نہیں گئے تھے بلکہ ہندوستان سے براہِ راست اس زمانے کے مشرقی پاکستان پہونچے تھے۔ جہاں تک ہندوستان کا سوال ہے، اس کی طرف سے انھیں قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ یہاں کی شہریت کو ترک کر کے اب سے ۳۰، ۲۹ سال پہلے مشرقی پاکستان چلے گئے تھے۔ ان خانماں برباد اور بدنصیب لوگوں میں، ہندوستان کے سبھی علاقوں مشرقی یوپی، بہار، اڑیسہ، آسام یہاں تک کہ مدراس اور مہاراشٹر تک کے مسلمان شامل ہیں لیکن ان میں اکثریت بہار کے باشندوں کی ہے، اس لئے ان سبھی لوگوں کو، جو تعداد میں ۳ ½ لاکھ سے بھی زیادہ ہیں بہاریوں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور ان کی حالت فلسطینی پناہ گزینوں سے بھی زیادہ خراب اور دردناک ہے کیونکہ وہ پندرہ برسوں سے بانس کی جھونپڑیوں میں مثالی بے سروسامانی کی حالت میں مقیم ہیں، اور دنیا کی کوئی تنظیم ان کی خبرگیری کی ذمہ داری لینے پر تیار نہیں۔ اکثر اوقات مقامی بنگالی باشندے ان کی بانس کی بستیوں پر حملہ کر دیتے ہیں اور انھیں زبردست جانی اور مالی نقصانات سے

دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اس طرح کا ایک خونریز واقعہ ابھی پچھلے سال پیش آیا تھا جس میں سیکڑوں لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔

یہ سب لوگ وہ تھے جنھوں نے اسلام اور پاکستان کو ہم معنی اور ایک دوسرے کا جزو لاینفک سمجھا تھا، اور پاکستان کا مطلب لاالٰہ الا اللہ قرار دیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے پاکستان کی تحریک کو فروغ مذہب کی ایک ایسی سبیل سمجھا تھا جو دین اور مذہب کی ماہیت کو تبدیل کر کے، دنیا میں ایک مثالی حکومت کے قیام کا سبب بننے والی تھی۔ ان لوگوں نے جغرافیائی حدبندیوں، لسانی اور تہذیبی فرق و امتیاز اور علاقائی اور سماجی تقاضوں کے اثرات و نتائج کو یکسر مسترد کر دیا تھا اور وحدت کلمہ پر مسلم قومیت کی بنیاد رکھی تھی۔ اور ان لوگوں کو مذہب دشمن، اسلام دشمن اور کافروں کا آلہ کار قرار دیا تھا، جو انھیں نتائج و عواقب سے باخبر کرنے کے لئے اپنی بساط بھر جدو جہد میں مصروف تھے، ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کا خدا ایک ہے، قبلہ ایک ہے، کتاب ایک ہے، رسول ایک ہے، مذہب ایک ہے تو ساری دنیا کے مسلمان ایک کیوں نہیں ہو سکتے؟ وہ کہتے تھے کہ وہ ایک ایسی حکومت کے قیام کی مقدس جدو جہد کے ذریعہ اسلام کے تحفظ کا مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں جو ساری دنیا میں ایک بے مثال اسلامی حکومت ثابت ہوگی، اور جس کے ذریعہ وہ دنیا میں ایک ایسے اسلامی معاشرہ کی تشکیل کریں گے، جو ساری دنیا کے مسلمانوں کے سامنے قرون اولیٰ کے اسلامی معاشرہ کی تصویر دوبارہ پیش کرے گا لیکن جو تحریک مسلمانوں کے لئے بے مثال سیاسی قوت کی تعمیر، اور دینی احکام و تعلیم کی خاطر ایک عظیم الشان ملک کی تشکیل اور ہر رکاوٹ اور مزاحمت سے محفوظ فروغ اسلام کے مقصد سے چلائی گئی تھی، اس کا پہلا نتیجہ تو یہ نکلا کہ برصغیر میں مسلمانوں کا صدیوں پرانا ہجتمعا اور عظیم الشان روایتوں کی حامل جمعیت ٹوٹ کر تین حصوں، مغربی پاکستان، ہندوستان اور مشرقی پاکستان میں تقسیم ہو گئی، اور دس کروڑ افراد پر مشتمل امت کی عددی طاقت تین تین کروڑ کے تین الگ الگ ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ دوسرا تباہ کن نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کی سرحدوں کے اندر باقی ماندہ مسلمان، سبھی تہذیبی آثار اور ایک ہزار برس کی حکمرانی میں جمع شدہ تہذیبی اندوختہ کے ساتھ سیاسی طور

بے کسی مپرسی کا شکار ہو کر رہ گئے۔ وہ نہ صرف اپنے ملک میں اجنبی سمجھے جانے لگے بلکہ خود اپنی نظروں میں بھی سبک اور ایک ایسے احساسِ جرم میں مبتلا نظر آنے لگے جس کی تلافی کی کوئی صورت ان کے سامنے نہ تھی۔ ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کی تشکیل کے بعد جو فضا انھیں ملی، اس میں آزادی سے پہلے کی قربانیوں کا جذبہ اور ایثار پر آمادگی کا احساس تو آناً فاناً معدوم ہی ہوگیا تھا، انھیں اپنا وجود تک غیر یقینی اور صدہا خطرات سے دوچار نظر آنے لگا۔ جو خواب انھوں نے دیکھے تھے، ان کی تعبیر اتنی سخت نکلی کہ شترمرغ کی طرح لاکھ ریت میں سر چھپانے کی کوشش پر بھی خطرہ کا احساس ان کا پیچھا چھوڑتا نظر نہیں آتا تھا۔

خوف وخطر، تشویش اور انفعالیت کی یہ فضا تو ۲½ ،۳ کروڑ مسلمانوں کے اس گروہ کی تھی جو ہندوستان کی تاریخ کے سب سے بڑے اور عجیب وغریب انقلاب کے برق رفتار نتیجہ میں، اسلام کی ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ کی سب سے زیادہ پیچیدہ اور عجیب وغریب صورت حال سے دوچار ہوگیا تھا۔ لیکن ان مغربی اور مشرقی علاقوں میں جو پاکستان کے حصہ میں آئی تھی، مسلمانوں کی صورت حال بڑی حد تک مختلف تھی جو تاریخ کے سب سے بڑے تبادلۂ آبادی کی مصیبت کچھ پریشانی اور کچھ احساسِ ذمہ داری کے ساتھ اٹھا رہے تھے، اور ایک نئی مملکت کے حصول اور نئے اسلامی ملک کے مطالبہ کی کامیابی کا جوش وخروش اپنے شباب پر تھا، اس لئے مہاجروں کا جو ہندوستان سے اپنے تہذیبی اور وطنی رشتوں کو قطع کرکے اس نئی سرزمین میں پہونچے تھے جو ان کے نزدیک اسلام کے فروغ اور اسلامیانِ ہند کی تقدیر سازی کے کام میں ارضِ موعود کا تاریخی کردار ادا کرنے والی تھی۔ وہاں کے لوگوں کی طرف سے استقبال ان کی توقع کے عین مطابق تھا۔ اور وہ اس طرزِ عمل کو اس دردیش خداست کی طرح ایک قدرتی عمل سمجھ رہے تھے جس کے لئے شرقی اور غربی کے جال میں پھنسے بغیر، دہلی، اصفہان اور سمرقند کی بود وباش کو یکساں ہی ثابت ہوتے ہیں۔

پھر ایسا بھی تھا کہ پاکستان کی تشکیل کے بعد جن لوگوں نے حکومت کا کاروبار سنبھالا تھا اور جو فی الواقعہ اقتدار پر قابض ہوئے تھے، وہ تقریباً سب کے سب وہ تھے جو غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کے غیر متنازعہ لیڈر رہے تھے، اور قائد اعظم محمد علی جناح سے لے کر (جن کی کراچی کی پیدائش کو بنیاد بنا کر انھیں بعد کو پاکستان نژاد قرار دیا گیا) لیاقت علی خاں تک، جو پنجاب کے کرنال کے بڑے زمیندار ہونے کے باوجود، آخر تک یوپی کے مہاجروں کے سرخیل سمجھے گئے۔ پہلی مرکزی وزارت کے وزیروں کی بیشتر تعداد مہاجروں ہی کے طبقہ سے تعلق رکھتی تھی، اور اس لئے ان ایک کروڑ سے زیادہ مسلم مہاجروں کو اپنے بارے میں زیادہ فکرمندی کی ضرورت نہیں پڑی، جو بہتر مستقبل کی تلاش، نئے ملک کے ساتھ جذباتی وابستگی اور ہندوستان میں ہمہ گیر فسادات اور قتل و غارت کے خوف، اور مشرقی اور مغربی پنجاب کے مکمل تبادلہ آبادی پر پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں کے اتفاق رائے کے مختلف اسباب کی بنا پر پاکستان میں آئے تھے۔ لیکن خوش دلی اور استقبال کے اس جذبہ کی مدت بہت مختصر رہی، اور کراچی اور لاہور میں خاص کر، جہاں مہاجرین کا زیادہ تر جماؤ تھا مقامی پنجابی اور سندھی آبادی ان کی کثرت کی بنا پر، اقلیت میں رہ جانے کے خوف میں مبتلا ہونے لگی اور اس سے مہاجروں کی بحالیات کے کاموں میں ابتدا ہی سے مقامی آبادی کی مزاحمت کی علامتیں نظر آئی تھیں۔

پاکستان کے دوسرے بازو، مشرقی پاکستان میں صورت حال بالکل دوسری تھی جہاں مشرقی ہندوستان کی ریاستوں، بہار، اڑیسہ اور مشرقی اتر پردیش کے علاوہ مغربی بنگال سے بھی لوگ پہونچے اور ڈھاکہ کے علاوہ چٹاگانگ اور سلہٹ وغیرہ میں ان کا ہجوم اکٹھا ہوا، ان مہاجروں میں اکثریت بہار کے لوگوں کی تھی اس لئے مشرقی پاکستان میں آنے والے سبھی مہاجروں کو بہاریوں کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ ان نو آمدہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ پریشانی زبان کی اجنبیت کی وجہ سے ہوئی، اور اسی لسانی اختلاف کی وجہ سے وہاں مہاجرین دو حصوں میں منقسم ہو گئے اور اسی اختلاف کی وجہ سے مغربی بنگال سے آنے والے مسلمان تو مشرقی پاکستان کی ثقافت میں آسانی کے ساتھ مل گئے، اور بنگالی زبان کے

اشتراک کے سبب بنگالی تہذیب میں ان کا علٰحدہ تشخص باقی نہ رہ سکا اور وہ بنگالی قومیت کا ایک جزو لاینفک بن گئے۔ لیکن یہی ایک سبب، غیر بنگالی مہاجروں کے لئے مزید پریشانیوں کا سبب بنا جو اپنے آپ کو تہذیبی اور معیار زندگی کے اعتبار سے بنگالیوں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر سمجھتے تھے اور حقیر اقلیت میں ہونے کے باوجود ان کا سلوک بنگالی اکثریت کے ساتھ حقارت اور تفوق کے حامل احساس برتری سے بھرپور تھا۔

مشرقی بنگال سے قطع نظر سارے پاکستان میں، مہاجرین کے ذہن وفکر پر تخیلی اور جذباتی اثرات کا غلبہ ابتدا ہی سے نمایاں رہا، وہ اپنے آپ کو نئی اسلامی مملکت کا خالق سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں ان کا فیصلہ کن کردار، اور پاکستان بننے کے بعد ناقابل بیان مصائب یہاں تک کہ ہجرت کی اذیت اٹھانے کی وجہ سے ان کا نئی اسلامی مملکت پر حق ملکیت، مقامی لوگوں سے کہیں زیادہ ہے، جو پاکستان کی جدوجہد اور پھر پاکستان کے قیام کے بعد تاریخ کے سنگین فرقہ وارانہ فسادات کی ہلاکتوں اور تباہ کن اثرات سے محفوظ رہے اور آرام سے گھروں پر بیٹھے رہے، وہ ابھی تک پاکستان کے مذہبی تصور سے اس درجہ سرشار تھے کہ پنجابی، سندھی، بلوچستانی اور سرحد کی قومیتوں کی حقیقتوں کو ناقابل لحاظ سمجھتے تھے، اور علاقائیت کا فرق ان کے لئے کسی درجہ میں بھی قابل قبول نہ تھا۔ اس لئے ان کی خواہش تھی کہ پاکستان کی زمام حکومت ان کے ہاتھ میں ہو اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اس ملک کا نظام چلائیں، پاکستان سے ہندو آبادی کے انخلار کی بدولت انھیں اس خلار کو بھرنے کا موقع بھی مل گیا تھا اور وہ ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائیدادوں اور اعلیٰ عہدوں پر قابض بھی ہوگئے تھے، اس لئے وہ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا ہوگئے تھے کہ انتظامیہ میں ان کی تناسب سے کہیں زیادہ نمائندگی اور حکومت پر ان کا تفوق مستقبل میں بھی بدستور برقرار رہ سکے گا۔

لیکن ان کی یہ ساری امیدیں جلد ہی پنجابی، سندھی، بلوچستانی اور سرحدی قومیتوں کی مزاحمت سے ٹکرا کر چور چور ہوگئیں، جو جلد ہی اتنی طاقتور اور خوفناک انداز سے نوتشکیل پاکستانی سیاست، حکومت

اور معاشرت پر غالب آگئیں کہ مہاجروں کی سب سے بڑی شخصیت ان کے سب سے بڑے پشتی بان اور پاکستان کے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خاں کو ایسے پر اسرار حالات میں شہید کر دیا گیا کہ آج تک ان کا قتل ایک سربستہ راز بنا ہوا ہے، اس کے بعد گورنر جنرل غلام محمد اور ان کے بعد فوجی حکمراں جنرل محمد ایوب خاں کے دور میں، انھیں سیاست اور انتظامیہ سے بے دخل کرنے کی مہم چلی جس کی بدولت وہ سب لوگ، وزارتوں اور اہم عہدوں سے محروم کر دیئے گئے، جو پاکستان کے قیام کے فوراً بعد، ان عہدوں اور منصبوں پر قابض ہو گئے تھے۔ جغرافیائی تقاضوں کے ناگزیر اثرات، اور لسانی و علاقائی تعصبات کی وہ گرم بازاری پاکستان میں ہوئی کہ ایک کروڑ سے بھی زیادہ وہ لوگ جو اپنے خوابوں کی اسلامی سلطنت تعمیر کرنے کے لئے پاکستان میں منتقل ہوئے تھے، رفتہ رفتہ ایک ایسے مستقل طبقہ۔ مہاجرین کے طبقہ میں محدود ہو کر رہ گئے، جنھیں پنجابی، سندھی، بلوچستانی، سرحدی اور بنگالی قومیتوں میں سے کوئی ایک قومیت بھی قبول کرنے پر تیار نہ تھی۔ انھوں نے مغربی پاکستان میں ایک بار جنرل محمد ایوب خاں اور مس فاطمہ جناح کے درمیان الیکشن کے موقع پر، اور دوسری بار مشرقی پاکستان میں، بنگلہ دیش کی تحریک کے مقابلہ میں مغربی پاکستان کی فوجی حکومت کا ساتھ دے کر، اپنی کھوئی ہوئی اہمیت اور عزت و وقار کو بحال کرنے کی کوشش کی لیکن دونوں بار ناکام ہو کر پہلے سے بھی زیادہ کس مپرسی اور زبوں حالی کا شکار ہو گئے۔ پہلی کوشش کا نتیجہ مغربی پاکستان میں ۶۲ء کے پہلے پٹھان مہاجر فساد کی صورت میں نکلا، جس میں پٹھانوں کی قیادت جنرل ایوب خاں کے لڑکے گوہر ایوب نے کی، اور دوسری کوشش کا بھیانک انجام، بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ایسے ہمہ گیر قتل عام کی شکل میں ظاہر ہوا، جس میں کم از کم دو لاکھ مہاجر اس طرح مارے گئے کہ سیکڑوں جگہ تو بھرے پُرے خاندانوں کا نام و نشان تک مٹ گیا اور تین لاکھ سے زیادہ لوگ مستقل طور پر بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے۔

اب کراچی میں پاکستانی تاریخ کے بدترین گروہی فسادات ہیں، مہاجرین پر ہلاکت،

تاراجی اور خانماں بربادی کی جو قیامت ٹوٹی ہے، اس نے مغربی پاکستان میں مہاجروں کے مستقبل کے بارے میں سنگین خطرات پیدا کر دئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی وہاں سندھی، اردو، زبانوں کے تنازعہ پر جو لسانی فسادات ہو چکے ہیں، ان میں مہاجرین کے قتل و غارت، اردو مرکزوں کی آتش زنی اور نایاب اردو مخطوطوں کی تباہی کے ہولناک واقعات پیش آئے تھے، جن کے بعد، اس زمانے کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے مہاجرین کے تشخص تک کو یہ کہہ کر ختم کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ فسادات نئے اور پرانے سندھیوں کے درمیان ہوئے ہیں۔

پہلے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) اور اب مغربی پاکستان کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے مذہب کے تخیلی تصور پر دو قومی تحریک کی بنیاد رکھ کر اتنی بڑی سیاسی غلطی کی تھی، جس نے ہندستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں اسلام اور مسلمانوں کو سربلند کرنے کے بجائے نئے نئے اور پیچیدہ مسائل سے دوچار کر دیا، جنھوں نے تینوں خطوں کے مسلمانوں کی زندگی کو ایسے مصائب سے بوجھل کر دیا جن کا تصور بھی متحدہ ہندوستان میں نہیں کیا جا سکتا، ان کے شیریں خوابوں اور ہوائی قلعے تعمیر کرنے کا دور ختم ہوا، اور اب انھیں ایسے سنگین حقائق کا سامنا ہے جن کے لئے وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو الزام نہیں دے سکتے۔ قوموں کی اجتماعی سیاسی غلطیوں کا نتیجہ جس بھیانک شکل میں نکلتا ہے، وہ آج ان کے سامنے ہے، ہندوستان کے ان صوبوں کے مسلمانوں نے جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، پاکستان کی تحریک میں سب سے زیادہ جوش و خروش اور ہیجانی کیفیت کا مظاہرہ کیا ہے، اس لئے اب وہی ان تینوں علاقوں میں اس کی مکافات بھگتنے پر مجبور ہیں جو پاکستان کی تقسیم کی صورت میں برصغیر کے نقشہ پر ابھر آئے تھے۔